قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (ال عمران: 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

جمعۃ المبارک 16/ اکتوبر 2020ء | 28 صفر 1442 ہجری قمری | جلد: 2 | شمارہ: 245

ارشاد باری تعالیٰ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ

(سورۃ البقرہ آیت: 223)

ترجمہ: یقیناً اللہ کثرت سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت کرتا ہے۔

فرمانِ رسول ﷺ

ظاہری صفائی کی اہمیت

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’اَلطُّھُوۡرُ شَطۡرُ الۡاِیۡمَانِ یعنی طہارت پاکیزگی اور صاف ستھرا رہنا ایمان کا ایک حصہ ہے‘‘۔ (مسلم کتاب الطھارۃ باب فضل الوضوء)

حضرت عطاء ابن یسارؒ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص پراگندہ بال اور بکھری داڑھی والا آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اشارہ سے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ سر اور داڑھی کے بال درست کرو۔ جب وہ سر کے بال ٹھیک ٹھاک کر کے آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ بھلی شکل بہتر ہے یا یہ کہ انسان کے بال اس طرح بکھرے اور پراگندہ ہوں کہ وہ شیطان اور بھوت لگے۔ (موطأ امام مالك۔ باب ما جاء في الطعام والشراب واصلاح الشعر)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

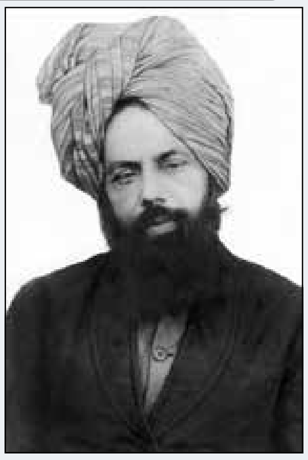

ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کے لیے شرط ہے

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ اور ان لوگوں سے جو پاکیزگی کے خواہاں ہیں پیار کرتا ہے۔ اس آیت سے نہ صرف یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی توبہ کے ساتھ حقیقی پاکیزگی اور طہارت شرط ہے۔ ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے الگ ہونا ضروری ہے ورنہ نری توبہ اور لفظ کے تکرار سے تو کچھ فائدہ نہیں ہے۔‘‘

(الحکم ۱۷ ستمبر ۱۹۰۴ء جلد نمبر ۸ نمبر ۳۱ بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد اوّل صفحہ ۷۰۵)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: ’’جو باطنی اور ظاہری پاکیزگی کے طالب ہیں ان کو دوست رکھتا ہوں، ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کی ممد اور معاون ہے۔ اگر انسان اس کو چھوڑ دے اور پاخانہ پھر کر پھر طہارت نہ کرے تو اندرونی پاکیزگی پاس بھی نہ پھٹکے۔ پس یاد رکھو کہ ظاہری پاکیزگی اندرونی طہارت کو مستلزم ہے۔ اسی لئے لازم ہے کہ کم از کم جمعہ کو غسل کرو، ہر نماز میں وضو کرو، جماعت کھڑی کرو تو خوشبو لگا لو، عیدین اور جمعہ میں خوشبو لگانے کا جو حکم ہے وہ اسی بنا پر قائم ہے، اصل وجہ یہ ہے کہ اجتماع کے وقت عفونت کا اندیشہ ہے (بدبو کا اندیشہ ہوتا ہے)۔ پس غسل کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے سمیّت اور عفونت سے روک ہو گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں یہ مقرر کیا ہے ویسا ہی قانون مرنے کے بعد بھی رکھا ہے۔‘‘

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد اوّل صفحہ ۷۰۴، ۷۰۵)

فرمان خلیفہ وقت

اچھے کپڑے پہننا

’’صاف ستھرا رہنے یا اچھے کپڑے پہننے سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے اور یہ خیال دل میں نہیں آنا چاہئے کہ اپنے سے مالی لحاظ سے کمتر کسی شخص کے ساتھ نہ بیٹھوں۔ اگر یہ صورت ہو گی تو پھر تکبر ہے۔ ورنہ اچھے کپڑے پہننا اور صاف ستھرا رہنا، اچھے جوتے پہننا یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا اظہار ہے۔ اور اگر تکبر ہو گا تو تب فرمایا کہ ایسے شخص کے لئے پھر جنت کے دروازے بند ہیں۔ اس لئے مومن اور دنیا دار میں یہی فرق ہے کہ وہ صاف ستھرا رہتا ہے، اچھے کپڑے پہنتا ہے اچھے جوتے پہنتا ہے اپنے گھر کو سجا کر رکھتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو خوبصورتی پسند ہے یعنی اس کا یہ ظاہری خوبصورتی کا اظہار بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے اور کیونکہ مومن کا یہ اظہار اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے۔ اس لئے غریب آدمی کے ساتھ مالی لحاظ سے اپنے سے کم بھائی کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اس کا پاس لحاظ رکھنا بھی اس کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کسی مالدار شخص کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اس کا پاس لحاظ کرنا ہے۔

یہ ہے اسلامی تعلیم کہ تم خدا تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کا اپنے ظاہری رکھ رکھاؤ سے اظہار بھی کرو لیکن اس کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق ان غریبوں کا بھی خیال رکھو تا کہ ان کا ایک بھائی کی حیثیت سے حق پورا ادا ہو۔‘‘

(خطبہ جمعہ 23/ اپریل 2004ء)

اس شمارہ میں

- آدمی تم بھلا سا لگتے ہو (منظوم)
- حضرت مرزا امیرالدین صاحب رضی اللہ عنہ
- صاحبانِ علم کی کہکشاں
- ایک واقعہ ہائیکنگ اور ہم

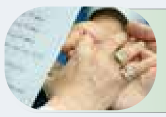

دربارِ خلافت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

قرآن کریم کے کامل کتاب اور اس کی خوبصورت تعلیم کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ’’چونکہ قرآن کریم خاتم الکتب اور اکمل الکتب ہے اور صحائف میں سے حسین اور جمیل ترین ہے۔ اس لئے اس نے اپنی تعلیم کی بنیاد کمال کے انتہائی درجہ پر رکھی ہے اور اس نے تمام حالتوں میں فطری شریعت کو قانونی شریعت کا ساتھی بنادیا ہے تا وہ لوگوں کو گمراہی سے محفوظ کر دے اور اس نے ارادہ کرلیا ہے کہ وہ انسان کو اس بے جان چیز کی طرح بنادے جو خود بخود دائیں بائیں حرکت نہیں کرسکتی اور نہ ہی کسی کو معاف کرسکتی یا اس سے انتقام لے سکتی ہے جب تک کہ خدائے ذوالجلال کی طرف سے اجازت نہ ہو‘‘۔ (ترجمہ از عربی عبارت خطبہ الہامیہ۔ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 316)

پس قرآن کریم کی تعلیم پر حقیقی عمل یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کو بجالانے کی کوشش کی جائے تبھی عمل کرنے والے کی یا پڑھنے والے کی ہر حرکت وسکون جو ہے وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے تابع کہلائے گی اور یہ بھی نہیں کہ اس کی تعلیم میں کوئی مشکل ہے بلکہ یہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ پہ کیا ہے۔ مثلاً روزوں کے جو احکام ہیں اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ (البقرۃ: 186) کہ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔ یہ ایک اصولی اعلان ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم فطرت کے مطابق ہے اور اس کے بارہ میں یہ بتایا گیا کہ اس میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ تمہاری طاقتوں کے مطابق تمہیں تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا اور پھر یہ تعلیم ان اعلیٰ معیاروں کا پتہ دینے والی ہے جو معیار تمہیں خدا تعالیٰ کے قریب ترین کر دیتے ہیں۔ پھر ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ (القمر: 18) اور یقینا ہم نے قرآن کو نصیحت کی خاطر آسان بنا دیا۔ پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟ یہاں نصیحت اس لئے نہیں کہ نصیحت برائے نصیحت ہے۔ کردی اور مسئلہ ختم ہوگیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان نصائح کو پکڑو اور ان پر عمل کرو۔ اگر یہ خیال ہے کہ مشکل تعلیم ہے تو یہ خیال بھی غلط ہے۔ یہ اس خدا کا کلام ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور ہر انسان کی استعدادوں کا بھی اس کو علم ہے۔ وہ خدا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کی نصیحتیں اور اس قرآن کی تعلیم پر جو عمل ہے وہ انسانی استعدادوں اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ پس کیا اس کے بعد بھی تم اس سوچ میں پڑے رہو گے کہ اس تعلیم پر میں کس طرح عمل کروں؟ اس تعلیم پر عمل کرو تو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بے انتہا انعامات کے وارث ٹھہروگے۔

پھر اس قرآن میں پرانی قوموں کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں وہ بھی اس لئے ہیں کہ نصیحت پکڑو اور اپنے اعمال کو خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق رکھو تا کہ وہ آفات اور پکڑ اور عذاب جو پرانی قوموں پر آتے رہے اس سے بچے رہو۔

ایک آیت میں پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن کریم کی تعلیم جو ہے وہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ فرمایا کہ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (البینۃ: 4-3) اللہ کا رسول مطہر صحیفے پڑھتا تھا۔ ان میں قائم رہنے والی اور قائم رکھنے والی تعلیمات تھیں۔ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تفصیل سے مختلف جگہوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک بیان میں پڑھتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ’’قرآن مجید لانے والا وہ شان رکھتا ہے کہ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (البینۃ: 4-3) ایسی کتاب جس میں ساری کتابیں اور ساری صداقتیں موجود ہیں۔ کتاب سے مراد اور عام مفہوم وہ عمدہ باتیں ہیں جو بالطبع انسان قابل تقلید سمجھتا ہے‘‘۔ (وہ باتیں ہیں جن کو انسانی طبیعت سمجھتی ہے کہ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ان کی پیروی کی جا سکتی ہے اور کی جانی چاہئے)۔

فرمایا: ’’قرآن شریف حکمتوں اور معارف کا جامع ہے اور وہ رطب ویابس فضولیات کا کوئی ذخیرہ اپنے اندر نہیں رکھتا‘‘ (اس میں کوئی فضول بات نہیں)۔ ’’ہر ایک امر کی تفسیر وہ خود کرتا ہے اور ہر ایک قسم کی ضرورتوں کا سامان اس کے اندر موجود ہے۔ وہ ہر ایک پہلو سے نشان اور آیت ہے۔ اگر کوئی اس امر کا انکار کرے تو ہم ہر پہلو سے اس کا اعجاز ثابت کرنے اور دکھلانے کو تیار ہیں‘‘۔ (یہ چیلنج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت دیا)

فرمایا کہ ’’آجکل توحید اور ہستی الٰہی پر بہت زور آور حملے ہو رہے ہیں‘‘۔ (اور اس زمانے میں پھر آجکل اللہ تعالیٰ کے وجود کے خلاف بہت زیادہ کتابیں لکھی جارہی ہیں تو آج کل پھر قرآن کریم کو پڑھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔) فرمایا کہ آجکل توحید اور ہستی الٰہی پر بہت زور آور حملے ہو رہے ہیں۔ عیسائیوں نے بھی بہت کچھ زور مارا اور لکھا ہے۔ لیکن جو کچھ کہا اور لکھا وہ اسلام کے خدا کی بابت ہی لکھا ہے۔ نہ کہ ایک مُردہ، مصلوب اور عاجز خدا کی بابت۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر قلم اٹھائے گا۔ اس کو آخر کار اسی خدا کی طرف آنا پڑے گا۔ جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ کیونکہ صحیفۂ فطرت کے ایک ایک پتّے میں اس کا پتہ ملتا ہے اور بالطبع انسان اسی خدا کا نقش اپنے اندر رکھتا ہے۔ غرض ایسے آدمیوں کا قدم جب اٹھے گا وہ اسلام ہی کے میدان کی طرف اٹھے گا‘‘۔ فرمایا: ’’یہ بھی تو ایک عظیم الشان اعجاز ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے اس معجزہ کا انکار کرے تو ایک ہی پہلو سے ہم آزما لیتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص قرآن کریم کو خدا کا کلام نہیں مانتا تو اس روشنی اور سائنس کے زمانہ میں ایسا مدعی خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلائل لکھے۔ بالمقابل ہم وہ تمام دلائل قرآن کریم ہی سے نکال کر دکھلا دیں گے اور اگر وہ شخص توحید الٰہی کی نسبت دلائل قلمبند کرے تو وہ سب دلائل بھی ہم قرآن کریم ہی سے نکال کر دکھادیں گے۔ پھر وہ ایسے دلائل کا دعویٰ کر کے لکھے جو قرآن کریم میں نہیں پائے جاتے۔ یا ان صداقتوں اور پاک تعلیموں پر دلائل لکھے جن کی نسبت اس کا خیال ہو کہ وہ قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ تو ہم ایسے شخص کو واضح طور پر دکھلا دیں گے کہ قرآن شریف کا دعویٰ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (البینۃ: 4) کیسا سچا اور صاف ہے اور یا اصل وفطرتی مذہب کی بابت دلائل لکھنا چاہے تو ہم ہر پہلو سے قرآن کریم کا اعجاز ثابت کر کے دکھلا دیں گے اور بتلا دیں گے کہ تمام صداقتیں اور پاک تعلیمیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ الغرض قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک قسم کے معارف اور اسرار موجود ہیں لیکن ان کے حاصل کرنے کے لئے مَیں پھر کہتا ہوں کہ اسی قوتِ قدسیہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ (الواقعہ: 80)۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 51-52 جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

(خطبہ جمعہ 11/ ستمبر 2009ء) (الفضل انٹرنیشنل جلد 16 شمارہ 40 مورخہ 2 اکتوبر تا 8 اکتوبر 2009ء صفحہ 5 تا صفحہ 8)

آدمی تُم بھلا سا لگتے ہو

آج کُچھ دلرُبا سا لگتے ہو
سچ کہوں پارسا سا لگتے ہو
ایک مدّت کے بعد آئے ہو
آشنا، آشنا سا لگتے ہو
اک فسانہ لکھا ہے چہرے پہ
شعر اک ان کہا سا لگتے ہو
ایسا دلکش کلام کرتے ہو
نغمۂ جاں فزا سا لگتے ہو
جیسے گلشن کا پھول ہو کوئی
خوشنُما خوشنما سا لگتے ہو
تم سے ملنے میں اتنی دیر ہوئی
لمحہ صبر آزما سا لگتے ہو
دیکھ پایا تمہیں جو غصّے میں
آتش زلزلہ سا لگتے ہو
جان حق پر نثار کرتے ہو
اُس گھڑی کربلا سا لگتے ہو
نرم ہو دل کے یوں تو ہیرا ہو
اور تراشا ہوا سا لگتے ہو
جانے کیوں آج تُم ذرا چُپ ہو
کُچھ ہُوئے سانحہ سا لگتے ہو
بدگُمانی نہیں کوئی طارق
آدمی تُم بھلا سا لگتے ہو

(ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن)

(مرسلہ: مبارز احمد ربّانی)

حضرت مرزا امیر الدین صاحب رضی اللہ عنہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام

آج خاکسار اپنی پڑدادی جان محترمہ امّ سلمٰی صاحبہ کے والدمحترم حضرت مرزا امیر الدین صاحب رضی اللہ عنہ کی سیرت کے چند واقعات ان کی وفات کے 88 سال کے بعد پہلی بار احباب جماعت کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق پا رہا ہے۔

اس سلسلے میں خاکسار نے خود تحقیق کر کے کچھ معلومات اکٹھی کی ہیں۔ خاکسار پہلی دفعہ کچھ لکھنے کی توفیق پا رہا ہے امید ہے کہ قارئین الفاظ یا جملوں کی غلطی سے صرف نظر فرمائیں گے۔

خاکسار ان تمام بزرگان کا تہہ دل سے شکر گذار ہے جنہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا اور اپنا قیمتی وقت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام افراد کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔ خاکسار کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

حضرت مرزا امیر الدین صاحب رضی اللہ عنہ کی پیدائش 1862ء میں ہوئی۔ آپ کا تعلق مغل چغتائی قوم سے تھا۔ آپ کے آباؤاجداد مغلیہ دور میں بہت بڑے عہدوں پر فائز تھے جو دہلی سے آ کر گجرات شہر میں رہائش پذیر ہوئے۔ آپ کا تعلق گجرات کے گاؤں دیونا سے تھا۔ آپ کا قد لمبا اور رنگ سفید تھا۔ صورت نورانی، داڑھی چھوٹی تھی۔ سر پر پگڑی رکھتے تھے۔ تہہ بند پہننا پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز میں بڑا اثر رکھا تھا۔ لوگوں میں بھی ان کا بڑا احترام تھا۔ آپ کے آجانے پر لوگ احترام سے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ اور گھر والے آپ کو میاں جی کے نام سے بلایا کرتے تھے۔

آپ نے 16 فروری 1892 کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا جس کا ذکر تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ نمبر 359، نمبر 257 پر موجود ہے۔ اس میں آپ کا نام اس طرح لکھا ہے: ''امیر الدین ولد میاں امام الدین ٹھیکیدار ساکن گجرات''۔ بیعت کرنے کے لئے آپ نے گجرات سے قادیان کا پیدل سفر اختیار کیا۔ بیعت کرنے سے قبل بھی آپ تعلق باللہ رکھتے تھے اور مسجد سے ایک گہرا لگاؤ اور عشق تھا۔ جسے قبول احمدیت نے چار چاند لگا دیئے۔

احمدیت قبول کرنے سے قبل آپ جس مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے جایا کرتے تھے وہاں کے لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ اب تم یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے کیونکہ تم مرزائی ہو گئے ہو۔ جس پر آپ نے فرمایا یہ خدا کا گھر ہے تم لوگ مجھے نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتے اور کہا کہ چاہو تو مجھے نماز پڑھتے دیکھ لو کہ میری نماز وہی ہے جو تمہاری ہے۔ چونکہ احمدیت قبول کرنے سے قبل لوگوں کے دلوں میں ان کا عزّت و احترام تھا تو انھوں نے آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔

پیشے کے اعتبار سے آپ ٹھیکیدار تھے۔ تعمیرات کا کام زیادہ کرتے تھے۔ آپ کی نواسی مرحومہ امۃ الحئ صاحبہ بنت امّ سلمٰی صاحبہ نے خاکسار سے بارہا دفعہ بیان فرمایا کہ وزیرآباد کا پہلا پل بھی آپ کی زیر نگرانی تعمیر ہوا۔ آپ Military Contractor اور General supplier بھی تھے۔

آپ مزید فرماتی ہیں کہ حضرت شیخ الٰہی بخش صاحب اور شیخ رحیم بخش صاحب رضی اللہ عنھم آف گجرات (جن کا تعلق میرے ننھیال سے تھا) نے میرے پڑداداجان حضرت ملک عطاءاللہ صاحب رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اپنے رشتہ کے لئے اپنی بہن فاطمہ بی بی کو مرزا امیر الدین کے گھر بھیجو۔ وہ احمدیت کا شیدائی ہے۔ اس طرح حضرت مرزا امیر الدین صاحب کا رشتہ امّ سلمٰی صاحبہ سے طے پایا۔

عبادات میں شغف اور ہمدردی خلق

آپ عبادت کی غرض سے رات 12 یا ایک بجے اٹھ جایا کرتے تھے اور مسجد کا رخ کرتے، تہجد پڑھتے اور صبح کی نماز تک وہاں رہتے اور پھر سیر کے لئے نکل جاتے۔

آپ بہت سخی اور رحم دل تھے۔ بڑوں کی عزّت اور احترام پر زور دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بڑوں کی عزّت کرو توہین نہ کرو۔ غلط بات کو سخت ناپسند کرتے۔ کوئی بات غلط دیکھتے تو کڑک کر بولتے۔ دیانتدار اس قدر کہ اگر ذرا سا شک پڑ جاتا تو اس چیز کو ہاتھ سے پرے کر دیتے۔

آپ نے خاندان میں مالی طور پر کمزور رشتے داروں کی بڑھ چڑھ کر امداد کی۔ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا شوق تھا۔ علم کے ساتھ بے حد لگاؤ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری کتب اپنے پاس رکھتے اور خاندان کے افراد کو اور اپنے حلقہ احباب کو جن میں فوجی، سویلین، ٹھیکیدار اور بزنس مین شامل تھے پڑھنے کے لئے دیتے۔

خالد احمدیت حضرت ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب (امیر جماعت گجرات) نے آپ کے جماعت سے عشق کا ذکر کرتے ہوئے میرے دادا جان مرحوم محترم ملک بشارت ربّانی صاحب سے فرمایا: بشارت تمہارے نانا کی تمہیں ایک بات بتاؤں۔ پھر فرمایا: جلالپور جٹاں گجرات میں بڑے مناظرے آریوں ہندوؤں کے ساتھ ہوتے تھے۔ وہاں مخالفت میں اینٹیں اور پتھر بھی چلتے تھے۔ ایک بار میں نے وہاں جانا تھا۔ جمعہ کی نماز میں میں نے اعلان کیا کہ احباب دعا کریں میں مناظرے کے لیے جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے مجھے راستے میں محسوس ہوا کہ چھڑی کے سہارے کوئی پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ مڑ کر دیکھا تو تمہارے نانا تھے جن کی عمر اس وقت 70 برس کے قریب تھی۔ میں نے پوچھا باباجی کوئی کام ہے کہنے لگے نہیں۔ اور کہا عبدالرحمٰن میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اینٹیں روڑے کھاؤں۔ مجھے بھی وہاں جانا ہے۔ میں نے کہا آپ واپس جائیں میں جو کھانے جا رہا ہوں آپ کی طرف سے بھی کھا لوں گا۔ اتنا عشق تمہارے نانا کو جماعت سے تھا۔

خدا سے محبت کے انداز کا ایک عجیب واقعہ

میرے داداجان مرحوم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپکی بہت دعائیں سنا کرتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے چھوٹے بھائی کا بیٹا بیمار ہو گیا اکیس روز گزر گئے۔ بخار اتر نہیں رہا تھا۔ ایک روز ان کا بھائی پریشان حالت میں آپ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ دعا کریں بچہ کی حالت زیادہ خراب ہو رہی ہے ایسا نہ ہو کہ اسے کچھ ہو جائے۔ دعا کریں کہ یہ وقت گذر جائے۔ آپ نے کوئی بات نہیں کی۔ گھر کے اندر آئے وضو کیا اور پھر جائے نماز پر ایک پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور دعا مانگنی شروع کر دی اور پیار کے انداز میں کہا کہ اے اللہ! میں سجدے میں اس وقت جاؤں گا جب یہ آواز آئے گی کہ قدیر (بھائی کا بیٹا) ٹھیک ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح کھڑے رہے۔ گھر والے گھبرا گئے کہ یہ خود بھی اتنے کمزور ہیں گر نہ جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد چھوٹا بھائی آیا اور اس نے بتایا کہ قدیر اب ٹھیک ہے پھر آپ نے پاؤں نیچے لگایا اور سجدے میں گر گئے۔

یہ آپ کا خدا سے محبت اور ناز کا ایک خاص اپنا الگ انداز ہے۔ بعض اوقات انسان اپنے پیارے خدا سے پیار میں بڑھنے کے لئے نخرے بھی کرتا ہے جیسا کہ ایک سچا دوست دوسرے دوست سے ناز کا تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ سے نماز میں لذت اور شوق پیدا کرنے کے متعلق سوال کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''کبھی مکتب میں پڑھے ہو۔ عرض کیا جی ہاں پڑھا ہوں۔ فرمایا کبھی استاد نے کان پکڑائے ہیں۔ عرض کیا ہاں پکڑائے ہیں۔ فرمایا: پھر کیا حال ہوا۔ عرض کیا کہ میں پہلے تو برداشت کرتا رہا اور جب تھک گیا اور ہاتھ پیر دُکھ گئے اور درد ہو گیا اور پسینہ پسینہ ہو گیا تو رو پڑا اور آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا پھر کیا ہوا عرض کیا پھر استاد کو رحم آ گیا اور کان چھڑا دیئے اور خطا معاف کر دی پھر پیار کیا اور کہا جاؤ پڑھو۔ فرمایا یہی حالت نماز میں پیدا کرو۔ جس قدر دیر لگے اتنی دیر نماز میں لگاؤ اور اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ زیادہ پڑھو اور اس قدر پڑھو کہ ہاتھ پیر اور بدن دکھ جاوے تو کچھ اپنی جان پر رحم آوے گا اور کچھ تھکان ہو گا اور پھر خدا تعالیٰ کے رحم پر نظر ہو گی۔ اس کے بعد خدا بھی رجوع برحمت ہو گا اور دریائے رحمت الٰہی جوش مارے گا پھر حضور اور خشوع وخضوع اور لذت اور ذوق و شوق پیدا ہو جائے گا۔

(تذکرۃ المھدی، ص150)

میرے داداجان مرحوم مزید فرماتے تھے کہ آپ کو تعبیر الرؤیا میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا۔ ایک لڑکی آپ کے محلے میں رہتی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی طرف سے پریشان رہتی تھی۔ اس کا شوہر نہ اس کو بساتا تھا نہ چھوڑتا تھا۔ ایک روز اس کی ماں آپ کے پاس آئی اور ایک خواب سنائی جو کہ لڑکی نے دیکھی تھی۔ آپ نے فرمایا مبارک ہو گھر جاؤ تمہارا داماد تمہاری بیٹی کو لینے آیا ہے۔ وہ گھر گئی تو دیکھا داماد آیا ہوا تھا اور وہ اس کی بیٹی کو ساتھ لے گیا۔

ایک دفعہ ایک شخص حضرت مرزا امیر الدین صاحب کو راستے میں ملا اور کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ چودھویں کا چاند نکل آیا ہے انھوں نے فرمایا: جاؤ جاؤ قادیان۔ چودھویں کا چاند نکل آیا ہے۔ میں جا کر بیعت کر آیا ہوں۔

آپ کی نواسی مرحومہ امۃ الحئ صاحبہ نے خاکسار کو بتایا کہ حضرت مرزا امیر الدین صاحب اپنے نواسے کرنل ملک اعجاز ربّانی صاحب مرحوم کو بچپن میں کہا کرتے تھے: میرا جج بادشاہ۔ اللہ تجھے جج بنائے۔ بعد میں محترم اعجاز ربّانی صاحب فوج میں کرنل کے عہدے تک پہنچے اور ریٹائرمنٹ کے بعد واپڈا میں کام کرتے رہے اور دونوں جگہ آپ کے پاس مقدمات آیا کرتے تھے۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے آپ کے دو بیٹے ڈاکٹر محمد حاذق صاحب اور جناب مرزا محمد صادق صاحب تھے۔ ڈاکٹر محمد حاذق ڈاکٹر برائے حیوانات کی حیثیت سے مہاراجہ کشمیر کی ملازمت کرتے تھے۔ جناب مرزا محمد صادق صاحب فوج میں اکاؤنٹنٹ تھے۔

پہلی بیوی کی وفات کے بعد آپ نے ریشم بی بی صاحبہ سے شادی کی۔ آپ کے بطن سے تین بیٹے سیٹھ عبداللہ صاحب، مرزا عنایت اللہ صاحب مرزا رحمت اللہ صاحب اور تین بیٹیاں امّ سلمٰی صاحبہ، سعادت صاحبہ اور مبارکہ صاحبہ تھیں۔

آپ کی وفات یکم مارچ 1932 میں ہوئی۔ آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ آپ کا جنازہ قادیان لے جایا گیا اور بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر ہزاروں برکتیں و رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کی نیکیوں کو آپ کی نسلوں میں ہمیشہ جاری فرمائے (آمین ثم آمین)۔

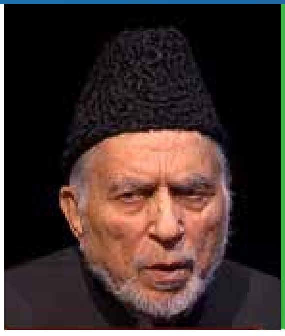

(مرسلہ: عبدالباسط شاہد۔ لندن)

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تو

صاحبانِ علم کی کہکشاں

پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ خاکسار کے لئے سیکھنے کے جو مواقع تھے وہ کم ہی لوگوں کو میسر آتے ہیں۔ بچپن قادیان میں گزرا محلہ میں متعدد صحابہ کرامؓ موجود تھے جن کی بزرگی اور شفقت کی یاد آج بھی خوشی کی لہر پیدا کر دیتی ہے ۔حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ جیسے فرشتہ انسان ہمارے گھر سے چند قدم پر رہتے تھے۔حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ بھی قریب ہی تھے ان دونوں بزرگوں کی خوبیوں پر تو کئی صفحات لکھے جا سکتے ہیں لیکن پھر میں اپنے مضمون یا دعا کی درخواست سے دور نکل جاؤں گا۔ ہمارے محلہ کے صدر صاحب بھی تو ایک صحابی حضرت چوہدری سر بلند خان صاحبؓ تھے جو ہمارے ایک بہت کامیاب مربی مکرم محمد اجمل صاحب کے والد بزرگوار تھے۔ ہمارے محلے ’دارالفتوح‘ کی صدر صاحبہ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی بیٹی محترمہ خدیجہ صاحبہ تھیں۔ ان سے پہلے ایک اور بزرگ خاتون صدر لجنہ تھیں۔ سارا محلہ انہیں پھوپھی جی کہتا تھا وہ مشہور صحابی قاضی محمد عبد اللہ صاحبؓ، قاضی عبد الرحمان صاحبؓ کی ہمشیرہ تھیں۔میری بڑی بہن امۃ اللطیف صاحبہ بہت چھوٹی عمر سے لجنہ کے کام کرنے لگی تھیں اور مذکورہ دونوں بزرگ خواتین کی سیکرٹری تھیں۔ اس لئے اس خاکسار کو بھی ان بزرگوں کے ہاں آنے جانے کے بہت مواقع ملتے تھے۔

خاکسار نے کلام پاک پڑھنا شروع کیا تو حضرت مصلح موعودؓ سے ’بسم اللہ‘ کروانے کی درخواست کی گئی جو الحمد للہ منظور ہوئی اس طرح اس جاہل کی تعلیم میں حضرت مصلح موعودؓ جیسی عظیم شخصیت بھی شامل ہوگئی گو بعد میں تو ’کلام محمود‘ اور آپ کی شاندار علمی تصانیف سے بہت کچھ پڑھا اور سیکھا۔قرآن مجید تو ہم سب بہن بھائیوں کو ہماری والدہ محترمہ آمنہ بیگم صاحبہ نے پڑھایا اور اس پیار سے پڑھایا کہ ہمیشہ کے لئے پڑھنے کی لگن لگ گئی۔

تعلیم الاسلام پرائمری سکول میں داخلہ ملا۔ ابتدائی اساتذہ ماسٹر شاہ محمد صاحب ، ماسٹر نواب دین صاحب، ماسٹر عبدالعزیز صاحب، ماسٹر حسن محمد صاحب، ماسٹر اللہ بخش صاحب تھے۔ ابتدائی تین اساتذہ تو سائیکلوں پر قریبی گاؤں تلونڈی سے پڑھانے آتے تھے۔ پانچویں جماعت کے بعد چھٹی جماعت میں جانے کی خوشی میں یہ امر بھی شامل تھا کہ اب ہم تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عظیم الشان عمارت میں جایا کریں گے۔ ہماری یہ خوشی چند روزہ ہی ثابت ہوئی کیونکہ انہیں دنوں تعلیم الاسلام کالج شروع ہوگیا اور اس عالی شان عمارت میں کالج کی تعمیر شروع ہوگئی اور ہم واپس اسی سکول میں آ گئے جسے پہلے پرائمری سکول کہا جاتا تھا اور بعد میں کچھ نئی عمارت کی تعمیر کے بعد وہی عمارت ہائی سکول میں تبدیل ہوگئی۔ ہائی سکول میں اس زمانہ میں ایسے مشاہیر اساتذہ تھے کہ جو قادیان یا سکول ہی نہیں بلکہ علمی دنیا میں بھی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔سب اساتذہ کے نام تو شاید یاد نہ آئیں مگر ماسٹر چراغ محمد صاحب، ماسٹر رحمانی صاحب، چوہدری عبدالرحمان صاحب، چوہدری اللہ بخش صاحب، المعروف زراعتی صاحب اور مرزا احمد شفیع صاحب کے اسماء گرامی فوری طور پر ذہن میں آجاتے ہیں ۔ ان کی شفقتوں کا ذکر بھی تفصیل کا تقاضا کرتا ہے، تاہم دعا کی درخواست کے لئے تو اس سے زیادہ لکھنا شاید مناسب بھی نہ ہو کیونکہ یہ نام اتنے معروف اور ان کی خوبیاں اتنی زبان زدِعام ہیں کہ ان کے شاگردوں کے سامنے ان سب بزرگوں کی تصویریں اور خوبیاں ایک رنگین فلم کی طرح آتی چلی جائیں گی۔

ہائی سکول کے اساتذہ میں حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ کا ذکر بھی نمایاں ہے ۔ خاکسار ان سے براہ راست کسب فیض اور استفادہ نہیں کر سکا تاہم ان کا نظم وضبط، خوش خلقی اور صفائی و نفاست بے مثال تھی۔ ان سے پہلے اس منصب پر پر حضرت سید سمیع اللہ شاہ صاحبؓ تھے جو اپنی بزرگی اور نیکی کی وجہ سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔

خاکسار نے آٹھویں جماعت تک تو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد مدرسہ احمدیہ میں پڑھنے یا زندگی وقف کرنے کی توفیق ملی۔ اس مدرسہ کے پہلے ہیڈ ماسٹر حضرت مصلح موعودؓ تھے ۔حضرت مرزا البشیر احمد صاحبؓ قمرالانبیاء سے بھی اس درسگاہ نے استفادہ کیا۔حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ بھی اس مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ خاکسار نے حضرت مولوی عبدالرحمان جٹ صاحبؓ کو بھی اس مدرسہ کا ہیڈ ماسٹر دیکھا ۔ جٹ صاحب درویشی کے زمانہ میں ناظر اعلیٰ صدر انجمن قادیان اور امیر جماعتہائے ہندوستان کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔ خاکسار کے والد بزرگوار مکرم میاں عبدالرحیم صاحب دیانت بھی درویشی کی سعادت سے بہرہ ور تھے اس لئے خاکسار کو بکثرت قادیان جانے اور حضرت مولوی جٹ صاحب کی شفقت سے حصہ لینے کا موقع ملتا رہا۔ مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ میں مولوی محمود خلیل صاحب (غالباً بعد میں وہ اپنا نام محمود سکندر لکھنے لگے تھے) مرحوم جوانی کی عمر میں ہی اچانک راہیءملک عدم ہو گئے تھے۔مکرم مولوی محمد شریف امینی صاحب ۔ مکرم مولوی محمد حفیظ بقا پوری صاحب۔ مکرم ماسٹر غلام حیدر صاحب کے نام نمایاں تھے۔

خاکسار کے زمانہء تعلیم میں مدرسہء احمدیہ میں چار سال کا نصاب تھا۔ پھر جامعہ احمدیہ میں چار سال کی تعلیم تھی ۔ ربوہ میں کچھ عرصہ جامعۃ المبشرین کے نام سے الگ درسگاہ بھی شروع ہوئی تھی۔آجکل جامعہ احمدیہ جونیئر اور جامعہ احمدیہ سینیئر کے نام سے یہ درسگاہیں مشہور ہیں اور ان کی شاخیں دنیا بھر میں پھیل چکی ہیں۔ جامعہ احمدیہ میں ہمارے بزرگ اساتذہ میں حضرت مولوی ظہور حسین صاحبؓ مجاہد بخارا،حضرت قاضی محمد نذیر صاحب، حضرت قریشی محمد نذیر صاحب ،حضرت مولوی عطاء الرحمان صاحب ، حضرت مولٰنا ابوالحسن قدسی صاحب ، حضرت ماسٹر غلام حیدر صاحب، حضرت مولوی شہزادہ خان صاحب شامل تھے۔حضرت مولٰنا ابو العطاء صاحب جامعہ کے پرنسپل تھے۔ جامعۃ المبشرین کے ادارہ میں پہلے کوئی پرنسپل نہیں تھے۔حضرت مصلح موعودؓ مختلف اساتذہ کو تین ماہ کے لئے ’سیکرٹری جامعہ‘ کے نام سے مقرر فرماتے تھے جو پرنسپل کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔

جامعہ المبشرین کے پہلے باقاعدہ پرنسپل حضرت مولٰنا ابو العطا صاحب مقرر ہوئے تھے اور اتفاق سے یہ وہی سال تھا جب خاکسار مولوی فاضل کرنے اور جامعہ احمدیہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ المبشرین میں داخل ہوا۔گویا خاکسار جامعہ احمدیہ میں تھا تو وہاں استاد محترم مولٰنا ابولعطا صاحب پرنسپل تھے اور جب جامعۃ المبشرین میں داخل ہوا تو وہاں بھی استاد مرحوم کی محبت، شفقت اور تربیت سے استفادہ کا موقع ملا۔ الحمد للہ۔

خاکسار ان فضلوں کو یاد کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسان سے خاکسار پر نازل ہوئے تھے تو اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض ان صحابہ کا ذکر ہو جن کی بکثرت زیارت ہوتی تھی۔ یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو گا کہ خاکسار کے والد محترم کی دکان مسجد مبارک کی سیڑھیوں سے چند قدم کے فاصلہ پر اس مرکزی جگہ پر تھی جسے احمدیہ چوک کہا جاتا ہے۔ اس طرح وہاں پر سلسلہ کے اکابرین اور نمازیوں کا قریباً ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ باقاعدہ وہاں سے مسجد مبارک جاتے ہوئے نظر آتے ۔ بالکل سامنے حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحبؓ ہوتے تھے۔ ان کے مکان کے پہلو سے جو گلی نکلتی تھی اس میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ہوتے تھے۔ بالکل پڑوس میں ایک طرف حضرت مرزا مہتاب بیگ صاحبؓ کا درزی خانہ تھا۔حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحبؓ کی رہائش بھی وہاں پاس ہی تھی۔ بالکل نزدیک ہی حضرت مولوی قطب الدین صاحبؓ کا دوا خانہ تھا۔ غالباً یہی وہ مطب تھا جہاں حضرت مولٰنا نورالدینؓ پریکٹس کیا کرتے تھے۔حضرت مولوی صاحب کے مکان بھی اس کے پہلو میں تھے۔ ہماری دکان کے ساتھ ایک بہت بزرگ انسان حضرت مولوی غلام رسول افغان صاحبؓ کی دکان تھی۔ ان کی دودھ دہی کی دکان تھی مگر وہ ہمہ وقت بڑے سائز کا قرآن مجید کھولے ہوئے تلاوت میں مصروف نظر آتے تھے۔ بھائی شیر محمد صاحب، حضرت احمد دین صاحب ڈنگویؓ بھی وہاں پاس پاس ہی تھے۔مولوی محمد یامین صاحب تاجر کتب کی دکان بھی اسی چوک میں تھی۔حضرت پیر منظور احمد صاحبؓ موجد قاعدہ یسرنا القرآن بھی اسی جگہ رہتے تھے۔حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ اور حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی زیارت تو خاکسار کو یاد نہیں مگر ان کی رہائش بھی تو اسی چوک میں تھی۔ خاکسار جس دکان کا ذکر کر رہا ہے ، یہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی شہر والی رہائش گاہ کا ایک حصہ تھی اور ’’الدار‘‘ سے ملی ہوئی تھی۔

جلسہ سالانہ کے دنوں میں یہ چوک مسجد مبارک کا حصہ بن جایا کرتا تھا اور نمازیوں کی صفیں اس چوک سے نکل کر دور دور تک چلی جایا کرتی تھیں اور جلسہ کے درمیانی وقفوں کے دوران اور صبح اور شام تو یوں لگتا تھا کہ جلسہ یہاں ہو رہا ہے۔ اس جگہ رونق تو قابل ذکر تھی مگر احمدی بھائیوں اور بزرگوں کی باہم ملاقاتیں ایک اور ہی دنیا میں لے جاتی تھیں۔ یہ یادیں تو ایسا لگتا ہے کہ لامتناہی اور ختم نہ ہونے والی ہیں۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایّام تو

اے کاش! ان بزرگوں سے اور بہت کچھ سیکھ لیا جاتا۔ اے کاش ان مقدس مقامات سے کچھ نیکی اور بزرگی حاصل کر لی ہوتی۔ اب تو حضرت عمرؓ کی دعا بکثرت دہراتا ہوں

اللھم لالی ولا علیَّ

(اے اللہ حساب برابر کر کے بخشش کا سلوک فرما) آمین۔ یہ بزرگ اساتذہ اور کرم فرما بھی جنت الفردوس میں حضرت امام مہدیؑ اور آنحضرت ﷺ کی معیت و قرب سے سرفراز ہوں۔ آمین۔

(مرسلہ: پی ٹی آئی مبشر احمد شاد)

ایک واقعہ ہائیکنگ اور ہم

یوں تو واقف زندگی کو پوری زندگی اس طرح کے حالات سے مقابلہ کرنے کی ہمت اللہ تعالیٰ نے دی ہوتی ہے۔جس سے اُس کا اللہ سے اور بھی گہرا تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور وہ دعا سے ہرمشکل گھڑی میں کامیاب ہوتا ہے۔اس کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کو ساری زندگی نہیں بھولتا۔

کچھ اسی طرح کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا۔اللہ کے فضل سے خاکسار کو جامعہ احمدیہ کے طالبعلموں کے ساتھ ہرسال کوئی نہ کوئی گروپ لے کر ہائیکنگ پر جانے کا موقع ملتا رہا۔ایک ایسا واقعہ ہوا جس کو میں آج تک نہیں بھول پایا۔

2006 جون کی بات ہے، جامعہ احمدیہ ربوہ کی خامسہ کلاس کے کچھ طلباء کے ساتھ وادی نیلم جانے کا پروگرام بنایا۔اُس میں ایک ٹریک پتلیاں جھیل پر جانے کا بھی تھا۔جو معلومات اس ٹریک کے بارے مجھے ملیں۔یہ ٹریک کچھ مشکل بھی تھا۔راستہ میں برف،ندی نالے اور گلیشیر بھی آتے ہیں۔اس کے لیے پوری تیاری کی۔پرنسپل جامعہ سے اجازت لے کر،دعا اور صدقہ کے ساتھ سفرشروع کیا۔ربوہ سے براستہ راولپنڈی،مظفر آباد سے آٹھ مقام پہنچ کرتھوڑی دیر رُک کرضرورت کا سامان خریدا اور ایک جیپ جو درنڈہ تک جاتی تھی کرایہ پر لی۔ہم نے رات درنڈہ میں بسر کی۔دوسرے دن صبح باقاعدہ ہائیکنگ کی تیاری کی اور اپنا سامان کندھے پر اُٹھایا اور چل پڑے۔راستہ میں ندی نالے اور گلیشیر بھی آئے۔ایک مقامی لڑکا جس نے بھی وہاں جانا تھا ساتھ چل پڑا۔پتلیاں میدان میں پہنچ کر اپنا سامان رکھا اور خالی ہاتھ جھیل پر جانے کا پروگرام بنایا،موسم کے اعتبار کے لحاظ سے صرف بارش سے بچنے کے لیے اپنے پنچوں کے ساتھ (برساتی کوٹ) لے لیے اور اپنی اپنی سٹک (چھڑی) لی اور چل پڑے،خاکسار شروع ہی سے جب بھی ہائیکنگ پر کوئی ہائیکنگ گروپ لے کر جاتا تھا توسب سے آگے خود گائیڈ ہوتا تھا۔باقی طلباء کو اپنے پیچھے آنے کو کہہ کر آگے لگ جاتا تھا۔مشکل دشوار گذار راستہ جو پہلے ہم نے بالکل نہیں دیکھا تھا چل پڑے۔راستہ بڑا عجیب تھا اور برف کے ساتھ پانی بھی جگہ جگہ آجاتا۔بڑی مشکل سے ہم اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔اگر کوئی طالب علم چڑھائی پرتھک جاتا توسب کو آرام سے بیٹھ جانے کو کہا جاتا۔تاکہ سفر کو انجوائے کرسکیں۔اور سب کو کچھ کھانے کو دیا جاتا۔تاکہ تازہ دم ہونے پر دوبارہ سفر شروع کرسکیں۔

اللہ کے فضل سے پورا گروپ لے کر میں پتلیاں جھیل پر پہنچ گیا۔خوب سیر کی اور فوٹوگرافی بھی کی۔بادل کافی آنا شروع ہو گئے اور ہم نے واپسی کا سفرشروع کیا تو خاکسارحسبِ عادت خود آگے گائیڈ کے طور اترائی پر زیگ زیگ بناتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔اچانک ایک طالب علم عزیزم نعیم احمد ساجد تیزی سے میری سائیڈ سے گذرا۔میں حیران ہوا اور آواز دی۔اِدھر ہی رُک جاؤ۔چونکہ آگے خطرناک گہرائی تھی۔وہ اَن بیلنس تھا اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکا۔ٹھوکر لگنے سے ہی گرپڑا اور پہاڑی سے نیچے لڑھک گیا۔میں نے بلند آواز میں سب کو اُسی جگہ کھڑے ہونے کو بولا کہیں ایسا نہ ہو کوئی اُسکو بچانے کی غرض سے یا جلدی میں کوئی اور لڑکا نہ گرجائے اور اپنے آپ پرقابو نہ رکھ سکے۔جب سب کھڑے ہوگئے تو میں اور ایک طالبعلم اُس کے پاس گئے۔وہ چونکہ اوپر پہاڑی سے نیچے کی طرف لڑھک کر رک گیا ہوا تھا۔اور زخمی ہوچکا تھا۔اُس کے پاس پہنچے اور جب اُس کی حالت دیکھی تو حیران پریشان رہ گئے کیونکہ وہ خون میں لت پت تھا۔میں نے جلدی سے ایک شرٹ پھاڑ کر اُسکے سر پر باندھی اور اُسے تسلی دینے لگا۔وہ بڑی ہمت والا تھا،درد برداشت کر رہا تھا۔اُسے ہوش بھی تھی۔اُسے پانی پلایا اور مزید تسلی دی۔وہاں سے نیچے اُترنے کے لیے راستہ بالکل نہ تھا اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی اور چیز تھی جس پر رکھ کر اسکو پہاڑی سے اتار سکیں۔ہم سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی کہ جب جھیل کی طرف چلنے لگے تو جلدی میں دوائی والا بیگ (رُکسیک) میں ہی رہ گیا۔جس کی اُس وقت اشد ضرورت محسوس ہوئی۔ایک طالب علم کو میڈیکل کٹ لینے نیچے بھیجا۔میں نے ایک طالبعلم کی مدد سے اُسے اپنے کندھے پر اُٹھایا اور نیچے اترنے لگا۔راستہ بڑا مشکل تھا پاؤں سلپ ہونے کا خطرہ زیادہ تھا صرف ایک ہی آدمی مشکل سے وہاں سے اتر سکتا تھا۔ابھی تھوڑا ہی نیچے اترا تھا کہ پیچھے سے ایک لڑکا زور سے بولا سر جی رُک جائیں۔خون زیادہ بہنا شروع ہوگیا ہے۔اُس کا خون کافی میرے اوپر گر رہا تھا۔اُس کو کندھے سے نیچے اتارا اور دیکھا کہ واقعی خون زیادہ بہنا شروع ہوگیا تھا کیونکہ سر نیچے کی طرف تھا اور کمر میرے کندھے پر تھی۔چونکہ یہ بچے تھے۔اِس سے پہلے کسی نے ایسا واقعہ نہیں دیکھا تھا تو کچھ رونے لگے۔اب پہاڑی سے تو نیچے اتر چکے تھے لیکن آگے برف تھی۔ایک ترکیب ذہن میں آئی۔بارش والا کوٹ برف پر بچھایا اور اُس زخمی طالب علم کو اوپر رکھا۔چاروں کونوں سے طالب علموں نے پکڑ لیا۔جب چلنے لگے تو برف میں دھنس جاتے۔بڑی مشکل سے تھوڑا سا نیچے اترے۔اسوقت سوائے اللہ کے کوئی ہماری مدد کرنے والا نظر نہ آتا تھا۔میں نے طالب علموں کو تھوڑا سا آرام کرنے کو کہا اور خود ایک پتھر کی اوڑھ میں دو نوافل پڑھنے لگا اور دل کھول کر اللہ کے سامنے رویا۔اللہ کو پکارا۔یا اللہ اس مشکل گھڑی میں ہماری مدد فرما۔اس زخمی طالب علم کے لیے غائب سے سامان مہیا فرما۔تیرے سوا کون ہے جس کو میں پکاروں تو ہی مدد کرنے والا ہے۔یہ بچے بھی تو تیرے پیارے کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنے آپکو وقف کر کے آئے ہیں اور میرے پاس ایک امانت ہیں۔ان کی ہرطرح سے مدد فرما۔مجھے ایسے محسوس ہوا کہ اللہ نے میری دعا سن لی ہے۔تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ لوگ ہماری مدد کو مختلف سمت سے آنے لگے۔پتہ نہیں کہاں سے یہ لوگ آتے گئے اور کافی لوگ اکٹھے ہو گئے۔پہلے ایک نے آتے ہی زخمی طالب علم کے منہ میں چینی ڈال کرتھوڑا سا پانی پلایا۔تاکہ شوگر لیول کم نہ ہو اور یہ بے ہوش نہ ہوجائے۔پھر اس نے ہمیں یہ کہا پیچھے ہو جائیں اس زخمی کو چھوڑ دیں یہ ہمارا کام ہے آپ پردیسی لوگ ہیں۔فکرمت کریں ہم آپ کی ہرطرح سے مدد کریں گے۔ہم اُنکے اس رویہ پر بہت حیران تھے۔اور دل میں اللہ کا بار بار شکر بھی ادا کر رہے تھے۔وہ زخمی طالبِ علم کو اٹھا کر میدان میں لے آئے۔

خیمے میں لاکر رکھا۔ہم نے اُس کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور اُسکے خون آلود ہ کپڑے اتار کر دوسرے پہنائے۔دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ اس کو کسی طریقہ سے ہسپتال پہنچایا جائے۔نہ چارپائی تھی اور نہ کوئی اور چیز تھی جس پر رکھ کر اُوپر کندھوں پر اٹھالیں۔ایک مقامی آدمی بڑا ذہین تھا۔اُس کی نظر ہماری سٹک (Sticks) پر پڑی۔فورًا دونوں کو ایک رسی کی مدد سے جوڑنا شروع کیا۔یہ دیکھ کر جو ہمارے پاس رسیاں یا ٹراوزر کی ڈوریاں تھیں،نکال لیں اور اُس کے حوالے کر دیں۔اُس نے ہمارا میٹریس لے کر اُن سٹک (Sticks) کے اوپر بچھایا اور ایمرجنسی سٹریچر تیار کر دیا۔پھرعزیزم نعیم احمد ساجد کو ایک سلیپنگ بیگ میں ڈال کر صرف سر باہر نکال کر زیپ بند کر دی اور سٹریچر پر رکھا اور اُس کو مزید رسیوں اور پتلون کی بلٹ (Belt) کی مدد سے باندھ دیا تاکہ راستے میں کہیں سائیڈ سے نیچے نہ گر جائے۔میں نے سب کو تسلی دے کر تین لڑکوں کو اپنے ساتھ لیا۔باقی کو آج رات وہاں ہی ٹھہرنے کو کہا تاکہ کچھ آرام کر لیں۔اور دوسرے دن صبح واپس آ جائیں۔

ایک دن کی ہائیکنگ کا فاصلہ طے کرکے جیپ ٹریک تک پہنچنا تھا۔یہ بڑا مشکل کام تھا اُن مقامی لوگوں نے ہماری کافی مدد

کی ۔ اُن میں ایک آدمی جو سترہ گریڈ سے ریٹائیرڈ ہوا تھا۔ اُس کا نام فصیح الدین تھاپیش پیش تھا۔ برف اور گلیشیئر اور نالے کو پار کرنے میں بڑی دشواری آتی وہاں وہ اکیلا ہی دو آدمیوں کی جگہ سنبھال لیتا تھا۔ایک طالب علم کو جیپ کو روکنے کے لیے پہلے روانہ کر دیا تا کہ واپس جانے والی کوئی جیپ مل جائے۔

جب میں نے جیپ کھڑی دیکھی تو جان میں جان آئی ۔ جیپ والی جگہ درنڈہ پہنچے ۔مزید معلومات لے لیں کہ اس کو کہاں اور کس جگہ لے کر جانا ہے۔ میں نے اُس دوست کو جو ہمارے ساتھ مدد کرتا تھاالگ کر کے اُس کو کچھ معاوضہ دینا چاہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے اُسے تسلی دی کہ میں خود خوشی سے آپ کو دے رہا ہوں۔اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا آپ پردیسی لوگ ہیں اور ہمارے علاقے میں آئے ہیں۔ یہ میں نہیں لوں گا۔ دعا کے ساتھ اگلا سفر شروع کیا۔میری منزل جھمبر ہسپتال تھی جس کے متعلق انھوں نے مزید گائیڈ کیا۔ راستہ میں زخمی کی دل جوئی کرتا اور تسلی دیتا کہ بس فکر کی کوئی بات نہیں اب ہم جلد ہی اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ رات کو بارہ بجے کے قریب میں زخمی طالب علم کو لے کر ہسپتال پہنچا۔ وہ ہسپتال آرمی کا تھاسول لوگوں کا بھی علاج کرتے تھے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ میں بھی آرمی کا ریٹائیرڈ جے سی او ہوں۔ اُنھوں نے بڑا تعاون کیا۔کھانا بھی ہمیں لاکر دیا اور تسلی دی کہ آپ فکر نہ کریں اب یہ کام ہمارا ہے آپ بے فکر ہوجائیں۔ اُنھوں نے سر کے بال جہاں زخم تھے کاٹ کر سٹیچنگ کی اور سر اور دوسرے زخمی حصوں کے ایکسرے لیے اور ڈرپ لگادی۔ میں خود حیران تھا دن کے بارہ بجے کے قریب یہ واقعہ ہوا اور رات کو تقریباً بارہ بجے میں اُسے لے کر ہسپتال پہنچا ہوں۔

رات کو بڑی تھکاوٹ ہوگئی تھی۔ باری باری دو دو گھنٹہ ڈیوٹی دینے کا پروگرام بنایا تا کہ سب کچھ آرام کر لیں۔ صبح کافی تسلی ہوئی۔ میں اور تین دوسرے طالب علم اُس کی تیمارداری ساری رات کرتے رہے اور تسلیاں دیتے رہے تا کہ پریشان نہ ہو ۔اللہ کے فضل سے پہلے سے بہت بہتری نظر آنے لگی۔ اُس وقت موبائل فون نہ تھے جامعہ میں فون پر اطلاع بھی کرنی تھی۔

میں نے فون کرنے کے لیے کوشش کی تو پتہ چلا سامنے پہاڑی پر ایک وائرلیس اسٹیشن ہے۔ اس علاقے میں اطلاع دینے کا واحد ذریعہ ہے۔ میں پہاڑی چڑھ کر جب اُن کے پاس گیا تو پتہ چلا یہ آرمی والے ہیں۔ میں اُنکے محکمے کا ہی تھا۔تھوڑا تعارف کرانے کے بعد مجھے ساتھ لے گئے۔ چائے پلائی اور بتایا نو بجے انشاءاللہ آپ کا رابطہ کروادیں گے۔

نوبجے مجھ سے نمبر مانگا اور وائرلیس کے ذریعے بذریعہ فون نگران ہائیکنگ مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب سے رابطہ کروادیا۔ جب اُن کو اس بات کا پتہ چلا تو بولے میں ابھی آجاتا ہوں۔ میں نے اُن کو تسلی دی اور امیر صاحب مظفر آباد مکرم اسمٰعیل مبارک صاحب کا نمبر مانگا نمبر لے کر اُن سے رابطہ ہوا۔ اُن کو تسلی دے کر کہا آپ فکر نہ کریں آپ یہاں آجائیں باقی میں ہر طرح سے سنبھال لوں گا۔

جھمبر ہسپتال کے نگران مکرم کرنل تیمور صاحب سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا ہم نے فرسٹ ایڈ دے دی ہے خطرے کی کوئی بات نہیں۔ یہاں کوئی نیورو سرجن نہیں ہے آپ اسکو لے کر مظفر آباد یا راولپنڈی چلے جائیں تا کہ مزید اس کا علاج ممکن ہو سکے۔ میں نے اُن سے ایمبولینس کے لیے درخواست کی اور کہا مظفر آباد تک اگر سرکاری گاڑی مل جائے میں آپ کا مشکور ہوں گا۔ اور کہا اس کی پے منٹ میں کر دوں گا۔ آپ مان گئے۔ایک پرائیوٹ پجارو گاڑی جو صرف افسروں کے لیے مخصوص تھی وہ ہمیں دے دی۔بلکہ خود باہر آکر باقی عملہ کے ساتھ دعا کر کے بولے آپ اسے مظفر آباد تک لے جائیں ایک نرسنگ میل اور فرسٹ ایڈ کا سامان اور ایمرجنسی گیس سلنڈر بھی ساتھ بھجوایا۔ ہمیں مظفر آباد کے لیے روانہ کیا۔ اللہ کے فضل سے اگلا سفر شروع کیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔ اور باقی طالب علموں کو ساتھ لے کر مظفر آباد کا سفر شروع کیا،جب شہر کے نزدیک پہنچے تو مکرم امیر صاحب سے فون پر رابطہ کیا۔ آپ نے فرمایا آپ فکر نہ کریں میں اور مکرم ڈاکٹر شیخ نصیر صاحب جی پی او کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں مطلوبہ جگہ پر پہنچا تو آپ انتظار کر رہے تھے میں نے ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا جب میں باہر نکلا اور ملا تو مجھے بھی کچھ ہوش آئی۔ فوجی ڈرائیور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ آپ کے اتنے تعلقات ہیں۔ آپ کے انتظار میں بنک آفیسر اور ڈاکٹر صاحب بھی کھڑے ہیں۔

ڈاکٹر مکرم شیخ نصیر صاحب بھی ساتھ ہو لیے اور ہم نے عباسیہ ہسپتال لے جاکر زخمی عزیزم نعیم احمد ساجد کو داخل کروا دیا۔ ایک طالب علم اظہر حمید ساتھ رہنے کو ولینٹیر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب بولے آپ فکر نہ کریں میں یہاں ہوں۔ وہاں ایک ایمبولنس پر میری نظر پڑی جو زلزلہ زدگان والوں کی امداد کے لیے ہیومنٹی فرسٹ والوں نے تحفہ دی تھی لیکن اُس وقت ہمارے کام نہ آسکی۔ مکرم امیر صاحب اسمٰعیل مبارک صاحب نے ہمیں ساتھ لے جاکر ایک مقامی ہوٹل میں کھانا کھلایا۔ پھر گھر لے جاکر تسلی دی کہ آپ فکر نہ کریں اور آرام سے سو جائیں آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ صبح جب نماز کے لیے اُٹھے تو پتہ چلا باقی سب طلباء اللہ کے فضل سے خیریت کے ساتھ آگئے ہیں سب نے باجماعت نماز فجر ادا کرنے کے بعد ناشتہ کیا۔ اور ہسپتال پہنچے تو یہ اچھی خبر سننے کو ملی رات کو مریض نے ایک جوس کا ڈبہ پی لیا ہے اور صحت بھی بہت بہتر ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔

دوسرے دن جناب امیر صاحب کی وساطت سے ایدھی والوں سے ایک ایمبولینس کرایہ پر مل گئی اور ہم اُسے لے کر مطلوبہ جگہ راولپنڈی بیت العطاء پشاور روڈ پر پہنچ گئے۔ ایک طالب علم عزیزم عطاالنور بھی میرے ساتھ ساتھ رہا اور بیمار کی خدمت بھی کرتا رہا۔ وہاں جو ڈاکٹر صاحبان ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ (1)ڈاکٹر جرنیل محمود الحسن نوری صاحب (2) ڈاکٹر خالد صاحب جو مکرم محترم نوری صاحب کا بیٹا ہے (3) ڈاکٹر محمود الحسن بٹ صاحب نے تسلی سے چیک کیا۔ اور دوائیاں بھی دیں اور جب جانے لگے تو مکرم نوری صاحب نے اپنا فون نمبر دیا۔ اگر کوئی مسئلہ درپیش آئے تو اُسی وقت فون کر لینا۔ اس کی روزانہ کی کنڈیشن سے جامعہ کو آگاہ بھی رکھا۔ وہاں ہم تقریباً پندرہ دن راولپنڈی بیت العطا میں زیر علاج رہے۔ پھر فضل عمر ہسپتال کی ایمبولینس کے ذریعے ربوہ شفٹ ہو گئے۔ یہاں بھی مختلف ڈاکٹر سرجن سے رابطہ رہا۔ اللہ کے فضل سے بہتر شفاء ہوتی گئی۔ ایک دن خاکسار کو حکم ملا جناب پرنسپل صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تو جامعہ کی کونسل بیٹھی ہوئی تھی۔ تمام کونسل کے سامنے پوری صورت حال سنائی۔ یہ واقعہ سن کر حیران ہوئے اور بولے آپ نے بڑی ہمت دکھائی ہے،عزیزم نعیم احمد ساجد جامعہ پاس کرنے کے بعد آج کل وہ بطور مربی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں۔ مزید اللہ سے دعا ہے کہ سب واقفین زندگی کو اپنے حفظ وامان میں رکھے (امین)

دوسرے سال ہمارا ایک پروگرام رتی گلی ہائیکنگ پر جانے کا بن گیا۔ خاکسار نے نگران ہائیکنگ مکرم خواجہ ایاز احمد کی وساطت سے ایک سپیشل شیلڈ تیار کروائی اور راستہ میں اتر کر جناب کرنل تیمور صاحب کو اپنے ہائیکنگ کلب کی طرف سے بطور تحفہ پیش کی ۔ اُس وقت میرے ساتھ ایک طالب علم عامر محمود عالم تھے جو آج کل جامعہ احمدیہ میں بطور استاد ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں۔ ہم نے ان کا بھی شکریہ ادا کیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور بولے جب تک یہ تحفہ ہماری میس میں رہے گا۔ آپ ہمیں یاد رہیں گے۔ پھر لڑکے کی خیریت بھی معلوم کی۔ہمیں آفیسرز نے میس میں لے جاکر چائے پلائی۔ ہم نے اُن کے ساتھ فوٹو بھی بنوائے اور واپس آکر پرنسپل مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب کو دکھائے۔ آپ بڑے خوش ہوئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں احسن رنگ میں مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے (آمین)

مرسلہ: منور علی شاہد (جرمنی)

دیوار برلن، حقیقت میں دیوار نفرت تھی

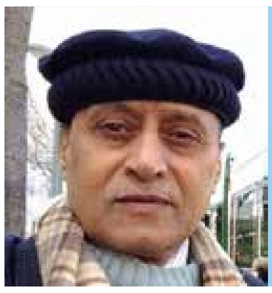

برلن کی سیر ہو اور دیوار برلن نہ دیکھی جائے یہ ممکن ہی نہیں ہے، جرمنی کا دارالخلافہ برلن محض ایک شہر ہی نہیں ہے بلکہ یہ اپنے اندر عروج و زوال کی ایک ایسی عبرتناک تاریخ اور یادگاریں سموئے ہوئے ہے جو یقیناً نہ صرف سیاحوں بلکہ سیاستدانوں، صحافیوں اور تاریخ کے طالب علموں کے لئے انتہائی دلچسپی کا باعث ہیں اور یہ دیوار برلن اسی دور کی ایک قابل نفرت یادگار ہے جس کو گرانے میں 28 سال لگے، ان اٹھائیس سالوں میں کوئی ایسا دن نہیں ہوگا جب انسانی المیہ رونما نہ ہوا ہو، اپنے پیاروں سے ملنے کے لئے دونوں اطراف کے لوگ صبح و شام دیوار پھلانگنے کا سوچتے اور ناکام کوششیں کرتے تھے۔ سات سال پہلے میں جب جرمنی پہنچا تو اس وقت بھی میرے ذہن میں جو واحد بات موجود تھی وہ دیوار برلن ہی تھی کہ اس کو ضرور دیکھنا ہے جس نے ایک ہی قوم کے ہزاروں، لاکھوں خاندانوں کا بٹوارہ کر رکھا تھا۔ برلن شہر ماضی و حال کا عجیب و غریب امتزاج ہے۔ برلن شہر آج اگر دنیا کے جدید ترین شہروں میں سرفہرست ہے تو کبھی یہ ویران کھنڈرات اور قبرستان کا منظر پیش کرتا تھا، تباہی و بربادی کی المناکی کی ایسی تصویر تھی جس کی منظر کشی ممکن نہیں، ایک ایسا شہر ہے جس کے مختلف حصوں پر کبھی غیر ملکی اقوام کا قبضہ تھا، اور شہر کا مکمل بٹوارا ہو چکا تھا، برلن کا مشرقی حصہ سوویت اتحاد جبکہ برلن کا مغربی امریکہ، برطانوی اور فرانسیسی اتحاد کے کنٹرول میں تھا۔ یوں مشرقی اور مغربی برلن کے درمیان دیوار برلن تعمیر کر دی گئی تھی اور لوگ تقسیم ہو گئے تھے۔

ایک ہی خاندان کے لوگ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے ملنے سے قاصر تھے۔ آج بھی بچی کھچی دیوار برلن کے ساتھ ساتھ اور اس کے ملحقہ علاقہ کی سڑکوں فٹ پاتھوں پر گھومتے پھرتے کہیں نہ کہیں دیوار برلن کی یادگار آپ کو ملے گی، کہیں زمین پر کندہ کی ہوئی کوئی تحریر، جملہ یا تاریخ لکھی ملے گی اور کہیں کچھ محفوظ کی ہوئی یا اس وقت کی کوئی یادگار۔ اگر آپ کے ساتھ مکمل معلومات رکھنے والا مقامی بندہ ساتھ ہے تو پھر آپ کا گھومنا پھرنا یقیناً آپ کی معلومات میں اضافے کا باعث بنے گا۔ آج سے اکتیس سال پہلے جب مشرقی، مغربی جرمنی دونوں کا نیا اتحاد ہوا اور دنیا کے نقشہ پر نیا جرمنی ابھرا تو یہ ایک بہت بڑی خبر تھی اور دنیا بھر میں اس کا خوب چرچا ہوا تھا اور ہر خاص و عام کی زبان پر دیوار برلن کا نام تھا۔ آج کی بڑی معاشی، اقتصادی طاقت جرمنی حقیقت میں دیوار برلن کے خاتمہ کا مرہون منت ہے، دیوار کے انہدام کے ہی سے Germen reunification کی راہ ہموار ممکن ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ 9 نومبر 1989 کو جب یہ اعلان ہوا کہ مشرقی جرمنی کے لوگ مغربی برلن اور مغربی جرمنی جاسکتے ہیں تو وہ لمحات اور مناظر انتہائی جذباتی قسم کے تھے جن کو جرمن تاریخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر چکی ہے اور کبھی بھی بھلا نہ پائے گی، گھنٹوں میں سینکڑوں لوگوں نے دیوار کو پھلانگنا شروع کر دیا تھا اور مغربی برلن جا پہنچے تھے اور اگلے چند ہفتوں میں عوام نے دھاوا بول دیا اور نفرت کی دیوار کے مختلف حصوں کو توڑ دیا، اس کے لئے صنعتی آلات بھی استعمال کئے گئے تھے اور بالآخر مکمل طور پر توڑ دی گئی تھی، کچھ حصہ تاریخ کے طور پر محفوظ کر لیا گیا۔ شاید یہ بہت کم لوگوں کو علم ہو کہ جرمنی کی موجودہ چانسلر انجیلا مرکل نے بھی پرورش مشرقی برلن (جرمنی) ہی میں پائی تھی اور جوان ہوئیں تھیں۔

دیوار برلن کو جرمنی زبان میں Berliner Mauerer کہتے ہیں، اس کی تعمیر 13اگست 1961 کو شروع ہوئی تھی اور 9نومبر 1989 کو اس تاریخی دیوار کے انہدام کا آغاز ہوا تھا اور 3اکتوبر 1990 کو مکمل ہوا یوں یہ تاریخی دیوار 28برس، دو ماہ اور 27دن تک مشرقی اور مغربی برلن کے درمیان ''آہنی پردہ'' کا کام کرتی رہی، دیوار برلن کے انہدام کی تقریب جو نومبر 1989 میں منعقد ہوئی تھی میں سوویت یونین کے سابق راہنما میخائل گورباچوف نے خصوصی طور پر شرکت کی تھی۔ دیوار برلن 155 کلومیٹر طویل تھی۔

1952 میں پہلے باڑ لگائی گئی تا کہ مشرقی جرمنی کے لوگوں کو مغربی جرمنی میں جانے سے روکا جاسکے لیکن ناکامی ہونے پر دیوار کی تعمیر شروع کرادی گئی تھی لیکن اس کی تعمیر کے آغاز تک لاکھوں لوگ مغربی جرمنی جاچکے تھے، 11500 سپاہی اس دیوار کی نگرانی کیا کرتے تھے اور ان کو حکم تھا کہ دیوار پھلانگنے کی کوشش کرنے والوں کو بلا دریغ گولی ماری جائے دیوار کے انہدام سے پہلے 136افراد کو غیر قانونی طور پر دیوار عبور کرنے کی کوشش میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ آج بھی 1361 میٹر دیوار یادگار کے طور پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ بھی زمین، سڑک کے کناروں اور ارد گرد بھی سینکڑوں کی تعداد میں اس دور کی یادگاریں موجود ہیں۔ اگر آپ اس علاقہ میں جائیں اور گھومیں پھریں تو درجنوں جدید ترین بسیں نظر آئیں گی جو سیاحوں سے بھری ہوتی ہیں اور سینکڑوں کی تعداد میں سیاح نظر آئیں گے، جو دیوار برلن اور اس کی یادگاروں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ 1990 میں دنیا کے مختلف پینٹرز نے اس دیوار پر تاریخی پینٹ بھی کیا تھا جو آج تک محفوظ ہے۔ 2014 میں دیوار برلن کے انہدام کے پچیس سال ہونے پر تاریخی جشن منایا گیا تھا اس جشن کے مناظر برلن شہریوں کو آج بھی یاد ہیں، اس وقت جرمن چانسلر انجیلا میرکل نے تاریخی جملے کہے تھے، انہوں نے کہا تھا کہ ''دیوار برلن کے انہدام سے ثابت ہوا ہے کہ خواب بھی حقیقت بن سکتے ہیں''، انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ''واقعات کو بھول جانا آسان ہے لیکن ان واقعات کو یاد رکھنا اہم ہے''۔

☆...☆...☆

آج کی دعا

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(سورۃ الصافات آیت101)

ترجمہ۔ ''اے میرے ربّ! مجھے صالحین میں سے (وارث) عطا کر (یعنی صالح اولاد عطا کر)''۔

یہ قرآن مجید کی حضرت ابراہیمؑ کی صالح اولاد کے حصول کی بہت پیاری دعا ہے۔

ہمارے پیارے امام سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعت کو تقویٰ پر چلتے ہوئے بچوں کی تربیت، اور اس دعا کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پس ہمیشہ ایسی اولاد کی دعا کرنی چاہئے یا خواہش کرنی چاہئے جو پاک ہو اور صالحین میں سے ہو اور ہمیشہ اس کے قرۃ العین ہونے کی دعا مانگنی چاہئے۔ میرے پاس جو بعض لوگ لڑکے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں تو میں ان کو ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ نیک اور صحت مند اولاد مانگو۔ بعض دفعہ لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ ماں باپ کی خدمت کرنے والی ہوتی ہیں اور نیک ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے لئے نیک نامی کا باعث بنتی ہیں۔ جبکہ لڑکے بعض اوقات بدنامی اور پریشانی کا باعث بن رہے ہوتے ہیں۔ پس ایک مومن کی یہی نشانی ہے کہ اولاد مانگے نیک اور صالح اور پھر مستقل اس کے لئے دعا کرے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ ورنہ ایسی اولاد کا کیا فائدہ جو بدنامی کا موجب بن رہی ہو۔ کئی خطوط میرے پاس آتے ہیں جس میں اولاد کے بگڑنے کی وجہ سے فکرمندی کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔ لوگ ملتے بھی ہیں تو اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ پس اصل چیز دل کا سکون ہے اور اولادوں کا نیک اور صالح ہونا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر اولاد بے فائدہ ہے''۔

(خطبہ جمعہ 14نومبر 2008)

(مرسلہ: قدسیہ محمود سردار)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

(مرسلہ: مبارک احمد منیر۔ مربی سلسلہ برکینا فاسو)

ٹیلی فون کی ایجاد

قرآن کریم نے جو آخری زمانہ کے بارے میں مختلف پیشگوئیاں کی ہیں ان میں یہ بھی تھی کہ: وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ
(سورۃ التکویر آیت نمبر 8)

ترجمہ:۔ اور جب نفوس ملا دیئے جائیں گے۔

ایگزانڈر گراہم بیل نے 1876ء میں ٹیلی فون کی ایجاد مکمل کی جس سے انسانی آواز کو برقی لہروں کی مدد سے کرہ ارض کے گوشے گوشے میں پہنچانے کا انتظام ہوگیا، لیکن آپ یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ گراہم بیل کا اصل مقصد ٹیلیفون ایجاد کرنا نہ تھا، بلکہ وہ اور اس کے والد بہروں اور گونگوں کی تعلیم میں لگے ہوئے تھے۔ گراہم بیل چاہتا تھا کہ آوازوں کو حرکات میں تبدیل کردے، تاکہ آوازیں اگر بہروں کے کانوں میں نہیں پہنچ سکتیں تو آنکھوں کے ذریعے سے انھیں دکھا کر اصلیت تک پہنچنے کے قابل بنادیا جائے۔ اس کام سے اس کی دلچسپی برابر قائم رہی۔ چنانچہ جب حکومت فرانس سے ٹیلی فون کی ایجاد پر اسے پچاس ہزار فرانک کا انعام دیا تو اس نے یہ رقم اس تجربہ گاہ کے حوالے کردی جو بہروں کی سہولت کے لیے نئی نئی تدبیروں کی چھان بین میں مصروف تھی۔

اس سے پیشتر بھی بہت سے موجد ٹیلی فون کی ایجاد کے لیے کوششیں کرچکے تھے، لیکن کسی کو پوری کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ گراہم بیل نے جس اصول پر کام کیا، وہ بہت سادہ اور واضح تھا۔ اس نے سوچا کہ باہر جو آواز پیدا ہوتی ہے، وہ ہوا کی لہروں کے ذریعے سے کان میں پہنچتی ہے اور کان کی جھلی میں حرکت پیدا کردیتی ہے۔ یہی حرکت دماغ تک چلی جاتی ہے اور انسان اندازہ کرلیتا ہے کہ آواز کیسی ہے یا کیا کہا گیا ہے اگر جھلی جیسی دو چیزیں لے کر فاصلے پر رکھی جائیں اور انھیں بجلی کے تار کے ذریعے سے ملا کر ایک کی آواز دوسری تک پہنچائی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میں حرکت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ اسی اصول پر کام کرتے ہوئے اس نے لوہے کی دو پتلی سی پتریاں لیں اور اپنے تجربے میں کامیاب ہوگیا۔ 10مارچ 1876ء کو گراہم بیل نے سب سے پہلا پیغام اپنے رفیق مسٹر واٹسن کو پہنچایا۔ واٹسن سہ منزلہ مکان کے سب سے نچلے کمرے میں مصروف تھا۔ ارد گرد مشینوں کی گڑگڑاہٹ تھی، جس میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ عین اس حالت میں گراہم بیل کی آواز گونجی:۔

’’مسٹر واٹسن! یہاں تشریف لائیے، مجھے آپ سے کام ہے۔‘‘

اس کے بعد ٹیلی فون کی صنعت نے آہستہ آہستہ بے اندازہ ترقی کرلی۔ (سو تاریخی واقعات صفحہ نمبر 51)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’اور نفوس کے ملانے کی علامت کئی طریق سے پوری ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک تو ٹیلیگراف (تار برقی) کی طرف اشارہ ہے جو ہر تنگی کے وقت میں لوگوں کی مدد کرتا ہے اور زمین کے دور افتادہ حصوں میں رہنے والے عزیزوں کی خبر لاتا ہے اور قبل اس کے کہ دریافت کرنے والا اپنی جگہ سے اٹھے تار برقی اسکے عزیزوں کی خبر دے دیتی ہے اور مغربی اور مشرقی شخص کے درمیان سوال و جواب کا سلسلہ چلا دیتی ہے، گویا کہ وہ آپس میں ملاقات کر رہے ہیں۔ پھر وہ ان پریشان ومضطر لوگوں کو ان لوگوں کے حالات سے بہت جلد اطلاع پہنچا دیتی ہے جن کے متعلق وہ فکرمند ہوتے ہیں۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دور بیٹھے ہوئے اشخاص کو ملا دیتی ہے اور ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ یوں بات کرتا ہے کہ گویا ان کے درمیان کوئی روک نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کے بالکل قریب ہوں۔ اور لوگوں کے آپس میں ملانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ بحری اور بری راستوں پر امن ہوگا اور سفر کی مشکلات دور ہوجائیں گی اور لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک تک بغیر کسی خوف وخطر کے سفر کرسکیں گے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ میں ملکوں کے ملکوں کے ساتھ تعلقات زیادہ ہوگئے ہیں اور لوگوں کا ایک دوسرے سے تعارف بڑھ گیا ہے۔ پس گویا کہ وہ ہر روز ایک دوسرے سے ملائے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تاجروں کو تاجروں سے اور ایک سرحد کے رہنے والوں کو دوسری سرحد کے رہنے والوں کے ساتھ اور ایک حرفہ والوں کو دوسرے حرفہ والوں کے ساتھ ملا دیا ہے اور وہ نفع حاصل کرنے اور نقصان کو دور کرنے میں باہم شریک ہوگئے ہیں‘‘
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ نمبر 471،472 اردو ترجمہ)

اہل قلم حضرات و خواتین مضامین لکھیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا ہے۔ اس میں یہی سر ہے کہ زمانہ جنگ و جدل کا نہیں ہے بلکہ قلم کا زمانہ ہے‘‘۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 151 زیرعنوان اس زمانہ کا ہتھیار قلم ہے)

اس ارشاد کی تعمیل میں قارئین الفضل سے مضامین، آرٹیکلز لکھنے نیز شعراء سے منظوم کلام بھیجنے کی درخواست ہے۔ یہ موقر اخبار آپ کا اپنا اخبار ہے۔ اس میں تربیتی، تعلیمی، اخلاقی، سائنسی، تاریخی، ادبی اور مختلف علوم و فنون پر مضامین لکھ کر درج ذیل ایڈریس پر بھجوائیں۔ خواتین کھانا پکانے کی تراکیب اور آرٹ پر مضامین بھجوا سکتی ہیں۔ ہومیو پیتھی، یونانی طب کے حوالہ سے بھی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ دنیا بھر کے خوبصورت مقامات کی سیر بھی کروائی جاسکتی ہے۔ ادارہ آپ کا بے حد ممنون ہوگا۔ (تمام مضامین ٹائپ شدہ اور ورڈ فارمیٹ میں ہوں)۔

info@alfazlonline.org

(ادارہ)

طلوع وغروب آفتاب

16/اکتوبر 2020ء

		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		05:00	17:55
مدینہ منورہ	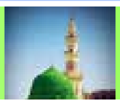	05:02	17:54
قادیان	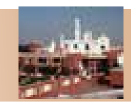	05:11	17:55
ربوہ		04:51	17:35
اسلام آباد ٹلفورڈ	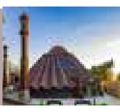	05:59	18:07